Journal of Islamic Civilization and Culture (JICC)

# JOURNAL OF ISLAMIC CIVILIZATION AND CULTURE(JICC)

Volume 3, Issue 2 (July-December, 2020)
ISSN (Print):2707-689X
ISSN (Online) 2707-6903
Issue: http://www.ahbabtrust.org/ojs/index.php/jicc/issue/view/9
URL: http://www.ahbabtrust.org/ojs/index.php/jicc/issue/view/9
Article DOI: https://doi.org/10.46896/jicc.v3i2.119

**Title** The life of Jesus, in the light of Bible

**Author (s):** Dr. Zia Ullah Jadoon and Dr. Munir Ahmad

**Received on:** 29 January, 2020
**Accepted on:** 26 November, 2020
**Published on:** 26 December, 2020

**Citation:** Dr. Zia Ullah Jadoon and Dr. Munir Ahmad, "Construction: The life of Jesus, in the light of Bible," JICC: 3 no, 2 (2020): 32- 48

Islamic Research Index HEC Approved Research and Indexing Agency
INTERNATIONAL Scientific Indexing
ALMANHAL
ASIAN Research Index
Crossref

**Publisher:** Al-Ahbab Turst Islamabad

Click here for more

# حیات حضرت مسیحؑ؛کتاب مقدس کی نظر میں
# The life of Jesus, in the light of Bible

ڈاکٹر ضیاءاللہ جدون*
ڈاکٹر منیر احمد**

***Abstract***

***Jesus or Isa Ibn Maryam is an Israeli prophet. Muslims consider him God's chosen prophet. Sent for guidance and right direction towards Allah, who stayed on earth for a while, and then were taken alive to heaven. Near the Day of Judgment, He will descend again and will follow the Shari'ah of Muhammad (S.A.W), will stayon this earth for some time and after his soul departes, will be buried in Madinah. But Christians believed Him like a God or son of God.***

***Here the question arises that there is nothing in the four Gospels about the above theology. Why?And what is the state of Isa Ibn Maryam in the Gospels?***

***This studyconcluds-with the help of historical and inferential method of research-thatJesus Christ was a first century Jewish preacher and religious leader. He is the central figure ofchristianty-the world's largest religion. Most Christiansbelieve he is the incarnation of God, Son and the awaited Massih(the Christ)prophesed in the Old Testament. Infacthe was only a prophet of God, not God, nor the son of God, as Bible shows.***

***Keywords: Jesus, Bible, Christians, Jews, Jerusalem, the Bible study***

---

*عربک ٹیچر، گورنمنٹ مڈل سکول،ٹوپی، صوابی
**اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ و عربیہ، یونیورسٹی آف صوابی

## تعارف

حضرت عیسی علیہ السلام جنہیں حضرت مسیح اور حضرت یسوع بھی کہا جاتا ہے، فلسطین کے ایک یہودی خاندان میں پیدا ہوئے، یہودی ماحول میں پلے بڑھے اور یوں آپؑ نے یہود کی دینی روایات ان کے مذہبی ادب کے ساتھ ساتھ ان کی معاشرتی اور سماجی رسومات اور عادات کا بغور جائزہ لے کر مشاہدہ کیا۔اور جب آپؑ کو نبوت ملی تو آپؑ کی تعلیمات کا رخ بھی یہودیوں کی طرف تھا کیونکہ آپؑ نے ان کے اخلاق و کردار کو بہت نزدیک سے مشاہدہ کیا تھا جو خدائی تعلیمات سے بہت دور چلے گئے تھے۔آپؑ نے شریعت موسوی کو زندہ کرنے اور تورات کے احکامات پر عمل پیرا ہونے کی دعوت دی۔اس لیے آپؑ نے بار بار فرمایا کہ میں دین موسوی کو منسوخ کرنے نہیں بلکہ اس کو مکمل کرنے آیا ہوں لہٰذا مسیحیت کو الگ مذہب کہنے کے بجائے اسے یہودیت کا حصہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کیونکہ آپؑ نے فرمایا؛ یہ نہ کہو کہ میں شریعت کو منسوخ کرنے آیا ہوں، منسوخ کرنے نہیں بلکہ مکمل کرنے آیا ہوں [1]۔انجیل متی میں ہے کہ آپؑ کی پیدائش ''بیت اللحم'' میں ہوئی [2] جب کہ یوحنا کی انجیل میں آپؑ کی جائے پیدائش ''ناصرہ'' بتائی گئی ہے [3]۔متی اور لوقا کے مطابق آپؑ رامی بادشاہ ہیرودیس کے دور میں پیدا ہوئے [4]۔یوں تو عیسائیوں میں مشہور ہے کہ آپؑ کی پیدائش 25 دسمبر کو ہوئی اور اسی دن وہ ''کرسمس ڈے'' مناتے ہیں تاہم حقیقت یہ ہے کہ آپؑ دسمبر کے مہینے میں ہر گز پیدا نہیں ہوئے کیونکہ بقول بائبل جب آپؑ پیدا ہوئے تو اس موسم میں لوگ رات کے وقت مویشیوں کو کھلے آسمان تلے جمع کرتے تھے [5] اور دسمبر میں راتیں سرد ہوتی ہیں تو سردی میں کہاں کوئی مال مویشی کو کھلے آسمان تلے چھوڑتے ہیں ؟اور پھر فلسطین میں دسمبر کا مہینہ تو کافی سرد ہوتا ہے۔یہ تو اصل میں مسیحی دنیا نے جب دیکھا کہ جوپیٹر اور باقی یونانی اور رومی دیوتاؤں کا یوم پیدائش 25 دسمبر ہے تو ڈیانا نامی ایک نجومی نے سب سے پہلے دعوی کیا کہ حضرت عیسیٰ کا یوم پیدائش بھی 25 دسمبر ہے کہ آپؑ بھی اسی رات پیدا ہوئے [6]۔متی اور لوقا کے مطابق آپؑ کی والدہ حضرت مریمؑ اپنے منگیتر یوسف بن نجار سے پہلے روح القدس کی پھونک سے حاملہ ہوگئی تھی [7]،اور یہی موقف قرآن مجید نے بھی بیان کیا ہے [8]۔انجیل لوقا میں ہے کہ حضرت مریم کے منگیتر یوسف نجار کو کئی بار یہ خواب آیا کہ اس کی منگیتر حاملہ ہوگئی ہے تو جب ان کے ہاں بچہ پیدا ہو جائے تو اس نومولود کا نام ''یشوع'' رکھ دینا [9]۔یہ نام عبرانی ہے جس کے معانی ''نجات دہندہ'' کے ہیں۔آٹھویں دن آپؑ کا عقیقہ کیا گیا اور آپؑ کا نام ''یشوع'' رکھا گیا۔پھر آپؑ کو اپنی ماں یروشلم لے آئی۔کیونکہ اس وقت وہاں شریعت موسوی رائج تھی اور اس کے مطابق ہر نومولود ہیکل میں محبوس ہوتا تھا اس وقت تک جب تک اس بچے کا فدیہ نہ ادا کر کے نہ چھڑایا جائے [10]۔اگر آپؑ کی حیات مبارکہ پر

نظر دوڑائی جائے تو آپؑ کے بارے میں بارہ سالہ حیات سے متعلق جو کچھ لکھا جا چکا ہے، وہ زیادہ قابل اعتماد نہیں ہاں البتہ آپؑ کو تیس سال کی عمر میں چار بھائیوں اور ایک بہن کے ساتھ ایک بڑھئی یعنی ترکھان کی شکل میں دکھایا گیا ہے[11]۔آپؑ چونکہ پیغمبر تھے اور نہ صرف آپؑ کی پیدائش ایک عجیب طریقہ سے ہوئی بلکہ آپؑ نے گود میں باتیں کر کے لوگوں کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا تھا[12]۔اس لیے جب آپؑ پہلی بار منبر پر خطبہ دینے لگے تو وہاں موجود فریسی علماء حیرت کے عالم میں آپؑ کو دیکھتے ہی رہ گئے اور کہنے لگے کہ یہ دانائی کی باتیں اس میں آئیں کہاں سے کہ کل تک تو یہ ایک ترکھان تھا۔[13]

## 1۔ مسیحؑ کی پیدائش اور بپتسمہ

حضرت مسیحؑ کی فوق الفطرت پیدائش کے بارے میں جہاں انجیل نے تذکرہ کیا ہے[14] وہاں قرآن مجید نے بھی آپؑ کا ذکر کیا ہے کہ آپؑ کی پیدائش عام انسانوں کی طرح بالکل نہیں ہوئی بلکہ کنواری حضرت مریمؑ کو خدائی الہام کے ذریعہ حمل ٹھہرایا گیا اور اس سے آپؑ کی جنم ہوئی جو یقیناً لوگوں کے لیے بہت ہی تعجب آمیز بات تھی۔ وہ جب حضرت مریمؑ سے پوچھتے تھے تو وہ اس بچے کی طرف اشارہ کرتی تھی تو لوگ کہتے کہ بھلا گود کا بچہ کیسے بول پائے گا اور اتنے میں یہ بچہ جواب میں کہتا تھا کہ میں اللہ کا بندہ اور رسول ہوں[15]۔انجیل لوقا آپؑ کی پیدائش کے بارے میں فرماتے ہیں؛'' چھٹے مہینے میں جبرائیل خدا کی طرف سے گلیل کے پاس ایک شہر میں جس کا نام ناصرہ تھا ایک کنواری کے پاس بھیجا گیا۔ جس کی منگنی داؤد کے گھرانے کے ایک مرد یوسف نام سے ہوئی تھے اور اس کنواری کا نام مریم تھا اور فرشتہ نے اس کے پاس اندر آکر کہا سلام تجھ کو جس پر فضل ہوا ہے، خداوند تیرے ساتھ ہے۔ اور وہ اس کلام سے بہت گھبرا گئی اور سوچنے لگی کہ یہ کیسا سلام ہے۔ فرشتہ نے اس سے کہا اے مریم! خوف نہ کر کیونکہ خدا کی طرف سے تجھ پر فضل ہوا ہے اور دیکھ تو حاملہ ہو گی اور تیرے بیٹا ہو گا اس کا نام یسوع رکھنا۔۔۔۔ مریم نے فرشتہ سے کہا یہ کیوں کر ہو گا جب کہ میں مرد کو نہیں جانتی؟ اور فرشتہ نے جواب میں اس سے کہا کہ روح القدس تجھ پر نازل ہو گا اور خدا تعالیٰ کی قدرت تجھ پر سایہ ڈالے گی[16]۔اسی قسم کا مضمون قرآن مجید میں سورۃ مریم[17] میں بھی مذکور ہے تاہم قرآن میں جو صفائی بچپن میں آپؑ کی زبان اقدس سے مذکور ہے وہ بائبل میں نہیں[18]۔آٹھ دنوں کے بعد آپؑ کا ختنہ کیا گیا اور ''یسوع'' نام رکھا گیا اور پھر آپؑ کو یروشلم لایا گیا تاکہ خداوند کے حضور پیش کیا جائے[19]۔آپؑ عام بچوں کی طرح پلے بڑھے[20] تاہم ہر لمحہ خدا کی مرضی کے مطابق زندگی بسر کرتے رہے[21]۔آپؑ نے بطور بڑھئی کام کر کے اپنی والدہ اور بہن بھائیوں کے لیے روزی کمائی[22]۔یہ ایک ایسا تربیتی عمل تھا جو آپؑ سے قبل بھی برگزیدہ انبیاءؑ پر گزرا تھا خود اسرائیلی انبیاء جن میں

حضرت موسیٰؑ، داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ خوب مشہور ہیں، وہ بھی اسی عمل سے گزرے تھے۔ اور جب آپؑ تیس سال کے ہوئے تو ناصرہ کو خیر باد کہتے ہوئے دریا یردن چلے آئے جہاں یوحنا اصطباغی سے بپتسمہ لیا[23]۔ خدا نے آپؑ کو خوشخبری سنائی کہ میں تجھ سے خوش ہوں[24]۔ اور پھر آپؑ کو یہودیہ کے میدان میں ابلیس کے مقابلے کے لیے لے جایا جاتا ہے[25]۔ جہاں آپؑ نے جسمانی عبادت اور روحانی ریاضت کے چالیس روز گزار کر ابلیس کو مات دے دی[26]۔ جیسا کہ حضور ﷺ نے مکہ کے کوہ نور کی چوٹی پر واقع غار حرا میں عبادت و ریاضت کر کے خدا کی طرف سے وحی پائی تھی اسی طرح آپؑ کو بھی وحی سے نوازا گیا۔

گو کہ دینیاتی حوالے سے حضرتؑ کی مذکور تاریخ پیدائش پر علمی تحفظات بھی ہیں مثلاً عہد نامہ جدید کے مطابق حضرتؑ کی پیدائش کی رات چرواہے اپنے مویشیوں کو رات کے وقت کھلے آسمان تلے جمع کئے ہوئے تھے[27]۔ ارض فلسطین میں سخت سردی کے باعث ایسا ممکن نہیں ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ ضرور جولائی یا اگست کا کوئی مہینہ تھا۔ تاہم چونکہ رومی دیوتاؤں کا یوم معرض وجود ہمیشہ دسمبر کا مہینہ منایا جاتا ہے اس لیے یہاں اس امکان کو مسترد نہیں کیا جاسکتا کہ جہاں روم میں مسیحیت سہ خدائیت کے تصور سے متاثر ہوتی وہاں انہوں نے حضرتؑ کی پیدائش کا دن بھی اسی نسبت سے 25 دسمبر رکھا ہوگا۔ یقیناً اس وقت وہ بھول رہے تھے کہ مقدس کتاب کی رو سے حضرتؑ کی پیدائش کی رات چرواہوں کا کھلے آسمان تلے اپنے مویشیوں کو روکنا ذکر کیا گیا ہے جب ایک فرشتہ انہیں حضرتؑ کی پیدائش کی بشارت سنا رہا تھا۔ اصطباغ لینے کے بعد پہلی عید مارچ میں ہوئی۔ علاوہ ازیں ان تینوں انجیلوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس پہلی عید کے دن حضرتؑ یروشلم تشریف لے گئے تھے۔ اب اگر اس میں سے جنگل میں کئے گئے چالیس روز ریاضت کے نکالے جائیں تو یہ مدت اور بھی کم ہو جاتی ہے یعنی کل ڈیڑھ پونے دو ماہ، بر خلاف یوحنا کے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرتؑ کی تعلیم کا زمانہ سوا تین برس پر محیط ہے کیونکہ اس میں حضرتؑ کا یروشلم میں تین یا چار بار جانا بیان ہوا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرتؑ کی مدت نبوت تین سال کے اوپر تھی[28]۔ گرچہ حضرتؑ کی مکمل سوانح حیات اناجیل میں میسر نہیں ہے تاہم پھر بھی قرآن مجید کے بعد اناجیل اربعہ ہی حضرتؑ کی زندگی کے بارے میں معلومات فراہم کرنے کا سب سے قابل اعتماد ذریعہ ہے۔ آپؑ 4 قبل مسیح میں بیت اللحم میں پیدا ہوئے اور 30ء میں آپؑ آسمان کو تشریف لے گئے[29]۔ چونکہ آپؑ نہ صرف مسیحی تاریخ کا ایک اہم حصہ ہیں بلکہ دنیا کی پوری تاریخ آپؑ سے منسلک ہیں اور آپؑ کے بغیر یہ تاریخ مکمل نہیں ہوسکتی۔ اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ جو ہسٹری History کا لفظ ہے یہ اصل میں ''ہز سٹوری His Story'' ہے یعنی آپؑ کی کہانی۔ گویا آپؑ کے ذکر کے علاوہ تاریخ ادھوری ہوگی اس لیے یروشلم،

تاریخ اور حضرتؑ کا آپس میں بہت گہرا تعلق ہے اس لیے تینوں کا ساتھ میں ذکر کرنا ناگزیر ہے۔

## 2۔ عوامی خدمت کا آغاز

جس طرح معمول یہ چلا آرہا تھا کہ پہلے تربیتی دور سے گزارا جاتا اور پھر انہیں "نبوت" والا اعلیٰ درجہ دیا جاتا تھا۔ خود حضرت موسیٰ کو بھی امتحانات سے گزار کر فرعون کے ہاں دعوت دینے کے لیے بھیجا گیا[30]۔ اسی طرح آپؑ کو بھی مختلف آزمائشوں سے گزار کر نبوت دے دی گئی اور اب آپؑ نے دعوت عام کا آغاز کیا۔ چنانچہ پہلے مرحلے پر آپؑ نے اپنے شاگرد چنے[31]۔ جس طرح آپؑ کے بعد آنے والے آخری نبی ﷺ نے بھی دعوت کی ابتداء میں اپنے ساتھی چنے تھے اور ایک مدت تک آپ ﷺ نے کھل عام دعوت نہیں دی تھی اسی طرح حضرتؑ نے بھی شاگردوں کا انتخاب پہلے کیا۔ آپؑ کے شاگردوں کو قرآن مجید حواریوں سے[32] جب کہ حضور ﷺ کے ساتھیوں کو صحابہؓ سے یاد کرتا ہے[33]۔ پھر آپؑ نے بڑی سرگرمی سے اپنی عوامی خدمت کا آغاز کیا۔ آپؑ نے اپنے معجزے دکھا کر الٰہی قدرت کا مظاہرہ کیا[34]۔ آپؑ کے معجزات کو قرآن نے بھی ذکر کیا ہے[35]۔ ان معجزات کو دیکھ کر جہاں اور لوگ آپؑ سے بڑے متاثر ہوئے، وہاں سامریوں میں بھی کچھ لوگوں نے آپؑ کے بارے میں اعتراف کیا کہ یہ فی الحقیقت دنیا کا منجی ہے[36]۔ جس طرح آپ ﷺ کو اپنے قبیلے قریش کے لوگوں نے تو لامحال تسلیم کیا، غیر عرب نے بھی آپ ﷺ کی نبوت کو تسلیم کرنے میں کوئی جھجھک محسوس نہیں کی کیونکہ حق سے منہ کیوں موڑا جائے۔

## 3۔ مرکزی تعلیم اور گلیل میں خدمت

یوحنا اصطباغی کی قید اور یسوع کے لیے گلیل میں اپنی خدمت اس اعلان کے ساتھ شروع کرنے کا اشارہ تھی کہ "وقت پورا ہو گیا ہے اور خدا کی بادشاہی قریب آگئی ہے"[37]۔ آپؑ نے ناصرہ میں دعویٰ کیا کہ ان کے وعدے پورے ہوں گے اور ان کے اپنے شہر نے اس دعوے کو رد کیا[38]، تو آپؑ نے کفرنحوم کو اپنا نیا مرکز بنایا۔ غالباً ایک سال تک وہاں رہے اور گلیل کے دیگر حصوں میں خدمت کرتے اور تعلیم دیتے رہے[39]۔ اس دوران آپؑ نے نہ صرف اپنے معجزات کا اظہار کیا[40] بلکہ بدروحوں اور شیاطین پر[41]، انسان کی بدنی وروحانی بیماریوں پر قدرت[42] اور زندگی اور موت پر بھی ایسے کمالات دکھا کر لوگوں کو حیران کر دیا[43]۔ نبیوں سے معجزوں کا ظاہر ہونا ایک معمول کی بات تھی جیسا کہ آپؑ سے قبل انبیاء سے سرزد ہوتے ہوئے لوگوں نے دیکھا تھا اور آپؑ کے بعد بھی حضور ﷺ کے ہاتھوں کئی ایک معجزے لوگوں نے دیکھے تاہم آپؑ کی خلقت جس عجیب انداز سے ہوئی اس طرح کی پیدائش، حضرت آدمؑ کی پیدائش جو کہ ابتدائے انسانیت تھی کو مستثنیٰ کر کے کسی اور کی نہیں

ہوئی تھی۔ آپؑ نے جس دلیری اور شجاعت سے خدا کے دین کی تبلیغ کی اور مخلوق خدا کی جس خوبصورت انداز سے خدمت کی اور ان سے محبت وشفقت والا معاملہ کیا تولا محال گلیل کے لوگ آپؑ کی تعریف کئے بغیر نہ رہ سکے اور آپؑ وہاں ہر دلعزیز ہو گئے [44]۔ آپؑ کی یہ ہر دلعزیزی اس وقت معراج کو پہنچی جب آپؑ نے معجزانہ طور پر پانچ ہزار لوگوں کو کھانا کھلایا [45]۔ اسی طرح کا ایک واقعہ حضورﷺ کے وقت بھی پیش آیا جب آپﷺ کو آپﷺ کے ایک صحابی حضرت جابرؓ نے کھانے پر بلایا جب کہ کھانا صرف چند آدمیوں کے لیے تھا اور آپﷺ نے تمام لشکر والوں کو بلایا اور ان سب نے خوب سیر ہو کر کھایا۔ گویا چند آدمیوں کا کھانا ایک ہزار آدمیوں نے پیٹ بھر کر کھایا جو ایک واضح معجزہ تھا [46]۔

## 4۔ یروشلم میں شاہانہ داخلہ

مختلف مقامات پر دعوت وتبلیغ کرنے کے بعد آپﷺ یروشلم میں جاتے ہیں اور جانے سے قبل ہی اپنے شاگردوں کو وہاں اپنی موت سے آگاہ کرتے ہیں کہ وہاں چونکہ نافرمان یہودی ہیں اور وہ خدا کے راستے سے بھٹک چکے ہیں، انہیں راہ راست پر لانے کے لیے کوشش کی جائے گی تاہم وہ حق بات سننے کی بجائے ان کی مخالفت کریں گے اور اس مخالفت میں وہ اس حد تک جائیں گے کہ مسیح پر تہمت لگا کر مصلوب کروائیں گے [47]۔ معلوم ہونے کے باوجود آپؑ نے دعوت کی ذمہ داری نہیں چھوڑی اور یروشلم جانے کا عزم کر لیا۔ اناجیل اربعہ آپؑ کے یروشلم میں شاہانہ داخلے کا ذکر کرتی ہیں [48]۔ کہ آپؑ نے یہودیوں کے ان خدشات کی پرواہ کیے بغیر یروشلم کو جانا پسند فرمایا کیونکہ یروشلم میں موجود ہیکل میں جہاں پر عبادت ہونی چاہیئے تھی یہودی عام وخاص وہاں پر گناہوں میں مبتلا تھے اس لیے وہاں جا کر یہودیوں کو ان کی غلطیاں بتانا اور انہیں خدا کی نافرمانیوں سے باز آنے کی دعوت دینی ضروری تھی۔ چونکہ یہودیوں کا خیال تھا کہ آپؑ بنی اسرائیل میں سے ہیں اس لیے ان فریسیوں اور فقیہوں کے کہنے پر چلیں گے اور ان کی من مانیوں پر انگلی اٹھانے کی بجائے ان کے کرنے اور کہنے کو نادرست کہنے کی جسارت نہیں کریں گے، اسی خیال پر انہوں نے آپؑ کا یروشلم میں شاہانہ داخلہ کا بندوبست کیا تھا اور آپؑ کو یروشلم میں آتے وقت کاندھوں پر بٹھایا تھا۔ اور جب آپؑ یروشلم کے اندر داخل ہو رہے تھے تو لوگوں کا ایک ہجوم آپؑ کے ساتھ تھا جو آپؑ کے راستے میں کپڑے بچھا کر درخت سے ڈالیاں کاٹ کر راہ میں پھیلائے ہوئے کھڑے تھے اور سب لوگ پکار کر کہہ رہے تھے کہ "ابن داؤد کو ہوشعنا" [49]

اور جب یروشلم میں داخل ہوئے تو سارے شہر میں ہل چل مچ گیا اور وہ لوگ جو آپؑ سے بے خبر تھے، شور سن کر پوچھنے لگے کہ یہ کون ہیں جن کا شاہانہ استقبال کیا جا رہا ہے [50]؟ انبوہ نے جواب دیا کہ یہ گلیل کا نبی

یسوع ہیں[51]۔ مطلب یہ کہ یہودی آپؑ کے ہی گویا انتظار میں تھے اور ان یہودیوں کی طرف سے آپؑ کا شاہانہ استقبال اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ حضرتؑ سے ان کی توقع یہ تھی کہ آپؑ ان کے کرتوتوں پر اعتراض کرنے کی بجائے خاموشی سادھ لیں گے لیکن ایسا بھلا کیسے ممکن ہو سکتا تھا کیونکہ پیغمبر کی بعثت انسانوں میں اس لیے ہوتی ہے کہ انہیں شیطان کی راہ سے ہٹا کر رحمٰن کے رستے چلا دیں۔ آپؑ نے بھی اسی ذمہ داری کو اپناتے ہوئے ہیکل سے بسم اللہ کی جہاں پر سردار اور کاہن لوگ دین موسوی کے خلاف اعمال واقوال میں سر گرداں تھے[52]۔

آپؑ نے ان پر بلا خوف اور بلا جھجھک قدغن کرتے ہوئے رد کیا کہ اس خدائی معبد میں تم ایسے کام کیوں کر رہے ہوں جو کرنے کے لائق نہیں۔ انہوں نے جب یہ سنا تو چاہیئے تھا کہ وہ آپؑ کی بات مان کر برائیوں سے توبہ تائب ہو جاتے کیونکہ انہیں بخوبی علم تھا کہ آپؑ ہی بنی اسرائیل کے آخری نبی ہیں تبھی تو یروشلم میں آپؑ کا شاہانہ استقبال کیا تھا لیکن انہوں نے جواب میں آپؑ کو کئی قسم کے سوالات اور اعتراضات سے پریشان کرنا چاہا تاہم خدا کے فضل سے آپؑ نے انہیں بہر حال چپ کرایا[53]۔ اور انہیں علی الاعلان للکارتے ہوئے فرمایا:

"اے ریاکار وفقیہو اور فریسیو تم پر افسوس! کہ آسمان کی بادشاہی لوگوں پر بند کرتے ہو کیونکہ نہ تو آپ داخل ہوتے ہو اور نہ داخل ہونے والوں کو داخل ہونے دیتے ہو۔ اے ریاکار فقیہو اور فریسیو تم پر افسوس! کہ تم بیواؤں کے گھروں کو دبا بیٹھتے ہو اور دکھاوے کے لیے نماز کو طول دیتے ہو۔ تمہیں زیادہ سزا ہو گی۔

اے ریاکار فقیہو اور فریسیو تم پر افسوس! کہ ایک مرید کرنے کے لیے تری اور خشکی کا دورہ کرتے ہو اور جب وہ مرید ہو چکتا ہے تو اسے اپنے سے دونا جہنم کا فرزند بنا دیتے ہو۔

اے اندھے راہ بتانے والو تم پر افسوس! جو کہتے ہو کہ اگر کوئی مقدس کی قسم کھائے تو کچھ بات نہیں لیکن اگر مقدس کے سانے کی قسم کھائے تو اس کا پابند ہو گا۔

اے احمقو اور اندھو سونا بڑا ہے یا مقدس جس نے سونے کو مقدس کیا؟ اور پھر کہتے ہوئے ہو کہ اگر کوئی قربان گاہ کی قسم کھائے تو کچھ بات نہیں لیکن جو نذر اس پر چڑھی ہوا گر اس کی قسم کھائے تو اس کا پابند ہو گا۔

اے اندھو نذر بڑی ہے یا قربان گاہ جو نذر کو مقدس کرتی ہے؟ پس جو قربان گاہ کی قسم کھاتا ہے وہ اس کی سب چیزوں کی جو اس پر ہیں قسم کھاتا ہے اور جو مقدس کی قسم کھاتا ہے وہ اس کی اور اس کے رہنے والے کی قسم کھاتا ہے۔ اور جو آسمان کی قسم کھاتا ہے وہ خدا کے تخت کی اور اس پر بیٹھنے والے کی قسم کھاتا ہے۔

اے ریاکار فقیہو اور فریسیو تم پر افسوس! کہ پودینہ اور سونف اور زیرہ پر تو دہ یکی دیتے ہو پر تم نے شریعت کی زیادہ بھاری باتوں یعنی انصاف اور رحم اور ایمان کو چھوڑ دیا ہے۔ لازم تھا کہ یہ بھی کرتے اور وہ بھی نہ

چھوڑتے۔اے اندھے راہ بتانے والو جو مچھر کو چھانتے ہو اور اونٹ کر نگل جاتے ہو۔

اے ریاکار فقیہو اور فریسیو تم پر افسوس! کہ پیالے اور رکابی کو اوپر سے صاف کرتے ہو وہ اندر لوٹ اور ناپرہیزگاری سے بھرے ہیں۔اے اندھے فریسی! پہلے پیالے اور رکابی کو اندر سے صاف کرتا کہ اوپر سے بھی صاف ہو جائیں۔اے ریاکار فقیہو اور فریسیو تم پر افسوس! کہ تم سفیدی پھری ہوئی قبروں کی مانند ہو جو اوپر سے تو خوبصورت دکھائی دیتی ہیں مگر اندر مردوں کی ہڈیوں اور ہر طرح کی نجاست سے بھری ہیں۔اسی طرح تم بھی ظاہر میں تو لوگوں کو راستباز دکھائی دیتے ہو مگر باطن میں ریاکاری اور بے دینی سے بھرے ہو۔

اے ریاکار فقیہو اور فریسیو تم پر افسوس! کہ نبیوں کی قبریں بناتے اور راستبازوں کے مقبرے آراستہ کرتے ہو اور کہتے ہو کہ اگر ہم اپنے باپ دادا کے زمانہ میں ہوتے تو نبیوں کے خون میں ان کے شریک نہ ہوتے۔اس طرح تم اپنی نسبت گواہی دیتے ہو کہ تم نبیوں کے قاتلوں کے فرزند ہو۔غرض اپنے باپ دادا کا پیمانہ بھر دو۔

اے سانپو! اے افعی کے بچو! تم جہنم کی سزا سے کیوں کر بچو گے؟ اس لیے دیکھو میں نبیوں اور داناؤں اور فقیہوں کو تمہارے پاس بھیجتا ہوں۔ان میں سے تم بعض کو قتل اور مصلوب کرو گے اور بعض کو اپنے عبادت خانوں میں کوڑے مارو گے اور شہر بہ شہر ستاتے پھرو گے۔تاکہ سب راستبازوں کا خون سے لے کر برکیاہ کے بیٹے زکریاہ کے خون تک جسے تم نے مقدس اور قربان گاہ کے قتل کیا۔[54]

## 5۔ یہودیوں کی مخالفت

حضرتؑ کی للکار سے یہودی ڈر گئے اور خوف از مسیحؑ (Christ phobia) سے انہوں نے اپنے لیے بچنے کی راہ ڈھونڈنا شروع کر دیا۔اس ضمن میں انہوں نے پہلے آپؑ سے قسم قسم کے سوالات کیے لیکن جب اس سے بھی بات نہ بنی تب انہوں نے اس کے بعد آپؑ کے مختلف چال چلانے شروع کر دیے تاکہ وہ آپؑ سے چھٹکارا پاسکیں اس دوران آپؑ اپنے شاگردوں کو آئندہ ہونے والے واقعات کو تمثیلوں کی صورت میں بیان کرتے تھے اور الٰہی قدرت سے بیماروں کو شفا دیتے تھے[55]، اندھوں کو بینائی عطا کرتے تھے[56] اور مصیبت زدوں کو خلاصی دیتے تھے[57]۔ایسے حال میں بھی یہودی حاکموں اور مذہبی رہنماؤں میں آپؑ کی مخالفت بتدریج بڑھتی رہی[58]۔انہوں نے اب ٹھان لیا تھا کہ جب تک آپؑ موجود رہیں گے، چین سے نہیں بیٹھنے دیں گے اس لیے انہوں نے آپؑ کو پھانسنے کا ہر ممکن طریقہ آزمایا۔اس غرض کے لیے وہ مسلسل کوشش کرتے رہے کہ کسی طرح آپؑ کا عوام میں اثر ورسوخ ختم ہو جائے اور انہیں کسی بہانے رومیوں کے ہاتھوں ہلاک کرا دیں[59]۔یہ ایسا ہی تھا

جیسا کہ حضور ﷺ کو مکہ والے راہ سے ہٹانے کے لیے ہر ممکن کوشش کرتے رہے اور ہمہ تن اس سوچ و فکر میں رہتے تھے کہ کسی طرح اس پیغمبر ﷺ سے وہ چھٹکارا پا سکیں۔اس لیے انہوں نے منصوبہ بنایا کہ آپ ﷺ کے گھر کو گھیر کر سب کے سب حملہ آور ہو جائیں گے اور آپ ﷺ کو نعوذ باللہ قتل کر دیں گے۔ یہ یہاں منصوبہ بنا رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اس منصوبے کو خاک میں ملاتے ہوئے آپ ﷺ کو بذریعہ وحی آگاہ کر دیا اور یوں آپ ﷺ صحیح سلامت مکہ سے مدینہ روانہ ہو گئے۔اسی طرح حضرت کے خلاف اسرائیلیوں کے مکر کو بھی اللہ نے خاک میں ملا دیا[60]۔آپؑ کی تعلیمات، انتباہ، دعوت و تبلیغ، بیماروں کو شفا، مصیبت زدوں کی مدد، مردوں کو زندہ کرنے، اندھوں کو بینائی دینے اور لوگوں کو برے کاموں سے دور رہنے اور ایک خدا کی عبادت کرنے کی تلقین[61] جیسے عظیم کاموں کو فقیہوں اور فریسیوں پر کوئی اثر نہیں ہوا بلکہ ان کے دلوں میں آپؑ کے خلاف نفرت اور بھی بڑھتی چلی گئی[62] کیونکہ انہیں اب اپنی ناؤ ڈوبتی نظر آ رہی تھی۔اس لیے بالآخر وہ آپؑ کی جان کے درپے ہو گئے۔

## 6۔ آپؑ کے خلاف سازشیں

جب آپؑ نے یہودیوں کی خود ساختہ دینیاتی اور اختراعی مذہبی حیثیت کی قلعی کھول دی تو یہودیوں نے گلو خلاصی کے لیے سازشیں شروع کر دیں۔اس سازش میں یہودیوں کے سرکردہ لوگ یعنی قوم کے بزرگ، سردار اور کاہن لوگ شامل تھے۔وہ سردار کائفا کاہن کے دیوان خاص میں جمع ہوئے اور مشورہ کیا یسوع کو فریب سے پکڑ کر قتل کر دیں گے۔ لیکن عید کے بعد ایسا کریں گے تاکہ لوگوں میں بلوا پیدا نہ ہو[63]۔ یہ سازش کا پہلا مرحلہ تھا، دوسرے مرحلے میں انہوں نے اپنے منصوبے پر عمل درآمد شروع کرتے ہوئے حضرتؑ کے شاگردوں کے ساتھ گٹھ جوڑ شروع کر دیا اور آپؑ کے ایک شاگرد یہوداہ کو اپنے سازش کا حصہ بنا کر آپؑ کو دھوکہ سے پکڑوانے پر آمادہ کیا جاتا ہے[64]۔

## 7۔ یروشلم میں آخری ہفتہ

آپؑ نے مسیح کے طور پر یروشلم میں علانیہ داخلے[65] کے بعد ہیکل کے بیرونی صحن میں صرافوں اور قربانی کے جانور بیچنے والوں کو باہر نکال دیا اور یوں اپنے مسیح ہونے کا دعویٰ ظاہر کر دیا[66]۔چونکہ آپؑ نے یروشلم میں داخلے سے قبل ہی اپنے شاگردوں کو آگاہ کر دیا تھا کہ یہودی لوگ آپؑ کو قتل کئے بغیر چین سے بیٹھنے والے نہیں ہیں[67]۔اس لیے آپؑ نے اپنے آخری وقت میں بھی یروشلم میں ہیکل کے صحن میں تعلیم دینے پر زور دیا[68]۔اس دوران آپ نے اپنے ستانے والوں کو بے نقاب کر دیا[69] اور پیش گوئی کہ آنے والے مصیبت کے دنوں میں

یہودیہ اور یروشلم کے باشندوں اور ہیکل کے ساتھ کیا کیا ہونے والا ہے[70]۔ آپؑ نے نہ صرف اپنے پیروکاروں کا آگاہ کیا کہ وہ کس قسم کے خطرے سے دوچار ہوں گے بلکہ یہ بھی بتادیا کہ دنیااور کلیسا کو کس قسم کے حالات کا سامنا کرناپڑے گا[71]۔ نیز یہ پیش گوئی بھی کردی آپؑ دنیا کے اختتام کے وقت دوبارہ جاہ وجلال کے ساتھ آکر آسمانی بادشاہی کریں گے[72]۔ یہ نہ صرف بائبل کا بیان ہے بلکہ اسلامی تعلیمات بھی اسی تناظر میں موجود ہیں۔اپنے ان آخری ایام میں آپؑ نے اپنے شاگردوں کو حق بات کہنے اوراس پر ڈٹے رہنے کے لیے تیار کیااور انہیں اس سلسلہ میں صبر وبرداشت کی تلقین کی[73]۔ یہی تعلیم قرآن بھی دیتاہے کہ حق بات کی دعوت کرتے وقت صبر کادامن تھام لیناچاہیئے کہ یہی ایمان والوں کی نشانی ہے[74]۔اور جب آپؑ کے پاؤں دھوئے گئے[75]تو آپؑ نے پیش گوئی کی کہ یہوداہ آپؑ کو پکڑوائے گا[76]۔ پھر آپؑ نے عشائے ربانی کو جاری کیا[77]اور اپنے تمام پیروکاروں کے لیے دعا کی[78]اور بعدازاں آپؑ نے گتسمنی کے باغ میں خود کو مکمل طور پر خدا کی مرضی کے حوالے کردیا۔[79]

## 8۔ عملی گرفتاری

آپؑ کی عملی گرفتاری کی جاتی ہے اور اس بات کو یقینی بنایا جاتا ہے جس کا آپؑ نے خدشہ ظاہر کیا تھا[80]۔ بقول انجیل ایک دن بھیڑ آئی جس میں آپؑ کے بارہ شاگردوں میں سے ایک شاگردیہوداہ بھی تھابلکہ وہ بھیڑ میں سب سے آگے آگے تھا۔اس نے آکر حضرتؑ کا بوسہ لیا۔آپؑ نےاس سے کہا کہ اے یہوداہ! تو بوسہ لے کرابن آدم کو پکڑواتاہے؟ پھر جب آپؑ کے دیگر شاگرد حالات سے خبردار ہوتے ہیں تو وہ جذبات میں آکر حضرتؑ سے اجازت طلب کرتے ہیں کہ وہ بھیڑ سے لڑپڑیں اوران میں ایک نے تو تلوار سے ایک شخص کاکان بھی اڑادیا۔آپؑ نے کہاکہ میں روز ہیکل میں تم لوگوں کے سامنے آتاہوں تو وہاں تم لوگ کیوں مجھے کچھ نہیں کہتے کہ یہاں چلے آئے ہو مجھے پکڑنے کے لیے۔الحاصل وہ لوگ آپؑ کو پکڑ کرلے چلتے ہیں۔[81]

## 9۔ پہلی پیشی؛ سردار کاہن کی عدالت میں

پھر آپؑ کو کائفا[82] نامی سردار کاہن[83] کے پاس لے جایا گیا جہاں پر دوسرے یہودی فقیہ اور بزرگ جمع تھے[84]۔ یہاں پر ضمناً یہ بات یادرکھنا چاہیئے کہ ’’فقیہ‘‘[85] سے مراد وہ یہودی عالم ہوتا تھا جو کتاب کا ماہر ہوتا تھا۔ان کی ایک جماعت تھی جو باقاعدہ شریعت کا مطالعہ اوراس کی تفسیر وتشریح کیا کرتی تھی[86]۔ عہد نامہ جدید میں عام طور پر انہیں ’’فقیہ‘‘ کہا گیاہے جو عبرانی لفظ ’’سوفریم‘‘ کا ہم معنی لفظ ہے[87]۔ فقیہ کو ’’عالم شرع‘‘[88] اور ’’معلم شرع‘‘[89] بھی کہا جاتا ہے۔انہیں اس وقت ایک نمایاں مقام حاصل تھا۔ان کا ذکر اکثر فریسیوں کے

ساتھ آتا ہے[90] اور ان سے علیحدہ بھی[91]۔ فریسی ایک مذہبی جماعت تھی جب کہ فقیہ عہدیدار تھے۔ فقیہوں کی اکثر فریسی جماعت ہی سے تعلق رکھتی تھی اور فریسی ان کی تفسیروں کو قبول کرتے تھے۔ یہ لوگ چونکہ دین کے عالم اور ماہر تھے اس لیے لوگ ان سے دینی مسائل پوچھتے تھے اور یہ قانون کا علم بھی رکھتے تھے اس لیے اکثر انہیں یہودی عدالتوں میں منصف مقرر کیا جاتا تھا۔ ان کی تعداد صدر عدالت میں کافی زیادہ تھی[92]۔ چونکہ فقیہ بطور جج کام کرتے تھے اور شریعت ججوں کو تحفے اور رشوت لینے سے منع کرتی تھی[93]، اور یہ فقیہ لوگ دنیا پرست بن گئے تھے اور دنیوی لالچ کے لیے شریعت اور کتاب میں رد و بدل کیا کرتے تھے۔ جس پر قرآن نے بھی شہادت کی ہے[94]۔ ان کی اس رویہ کو دیکھ کر حضرتؑ نے کھل کر ان پر تنقید کیا اور ان کی شریعت میں حاشیہ آرائی کرنے سے انکار کیا[95]۔ اس لیے فقیہ ان کی زبردست مخالفت کرنے لگے بلکہ سچ پوچھیے تو حضرتؑ کی تمام خدمت کے دوران سب سے بڑھکر مخالفت کرنے والے یہی فقیہ لوگ ہی تھے[96]۔ حضرتؑ نے ان کی ریاکاری اور سخت نفرت کی مذمت کی[97] اس لیے انہوں نے آپؑ کی موت میں اہم کردار ادا کیا[98]۔ سردار کاہن سمیت تمام صدر عدالت والے حضرتؑ کو مار ڈالنے کے لیے اس کے خلاف جھوٹی گواہی ڈھونڈنے لگے۔ لیکن جب کسی قسم کی کوئی گواہی نہ ملی تو پھر بہت سے جھوٹے گواہ لے آئے جنہوں نے خود ساختہ بیان دیا کہ آپؑ نے یہ بات کہی ہے کہ میں خدا کے مقدس گھر کو تین دن میں ڈھا سکتا ہوں۔ یہ سن کر کاہن نے اپنے کپڑے پھاڑے اور لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے اور لوگوں کو بھڑکاتے ہوئے بولا کہ یہ دیکھو اس نے کیا کفریہ الفاظ کہے ہیں۔ لوگوں نے جذبات میں آکر جواب میں کہا کہ ہاں یہ تو قتل کے لائق ہے۔ اس کے بعد ان ناعاقبت اندیشوں نے آپؑ سے جو معاملہ کیا وہ ناقابل بیان ہے[99]۔ اس دوران کاہن نے آپؑ سے آپؑ کی تعلیمات کی بابت پوچھا تو آپؑ نے جواب دیا کہ میں نے دنیا سے علانیہ باتیں کی ہیں جنہیں یہودیوں نے بھی خوب کان لگا کر سنا تو مجھ سے پوچھنے کے بجائے ان سے پوچھ لیں کہ میں نے کیا کہا ہے۔ پھر جب کچھ نہ بنا تو اس وقت کے یہودی سردار کاہن کائفا نے آپؑ پر یہ حکم صادر فرمایا کہ امت کو بچانے کے لیے اس ایک آدمی کو مارنا ہی بہتر ہو گا۔[100]

## 10۔ دوسری پیشی؛ پیلاطیس کی عدالت میں

سردار کاہن کائفا کے حکم سنانے کے بعد آپؑ کو اس وقت کے یہوداہ کے حاکم پیلاطس کے سامنے پیش کیا گیا کیونکہ وہی آخری فیصلہ سنایا کرتا تھا[101]۔ اس دوران یہوداہ نے بھی اپنے جرم کا اعتراف کیا اور لی گئی رقم واپس کر دی[102]۔ جب حضرت پیلاطس کے سامنے پیش ہوئے تو اس نے تفتیش کرنے کے لیے آپؑ سے بات چیت کرنے کی کوشش کی لیکن آپؑ نے اسے کچھ جواب نہیں دیا۔ پیلاطس سمجھ گیا کہ آپؑ بے گناہی ہے اور

یہودی آپؑ کو حسد کی وجہ سے مروانا چاہتے ہیں۔ تاہم اس کا دستور تھا کہ عید کے موقع پر ایک قیدی کو چھوڑتا تھا اور اس وقت آپؑ کے ساتھ ایک اور قیدی بھی تھا جس کا نام "برابا" تھا، حاکم نے لوگوں سے کہا کہ کس کو چھوڑوں تو یہودیوں نے بہ یک آواز ہو کر برابا کا نام لیا اور آپؑ کے بارے میں چلانے لگے کہ یسوع کو پھانسی دے دو۔ دریں اثناء جب پیلاطس تخت پر بیٹھتا ہے تو اس کی بیوی اسے خبردار کرتی ہے کہ اس راستباز سے کچھ سروکار مت رکھنا کیونکہ میں نے آج خواب میں اس کے سبب بہت دکھ اٹھایا ہے۔ یہودی سردار، کاہن، فقیہ اور بزرگوں نے چونکہ آپؑ کو رستے سے ہٹانے کی ٹھان لی تھی اس لیے انہوں نے لوگوں کو ابھارا کہ نہیں ہر حال میں یسوع کو مصلوب کر دینا چاہیئے۔ جب پیلاطس نے دیکھا کہ کچھ بن نہیں پڑتا تو پانی لے کر لوگوں کے روبرو اپنے ہاتھ دھوئے اور کہا میں اس راستباز کے خون سے بری ہوں۔ ایسا سننے پر یہودیوں کو چونک جانا چاہیئے تھا لیکن انہوں نے کہا کہ اس کا خون ہمارے اور ہماری اولاد کے سروں پر لیکن اس کو مصلوب کیا جائے پھر مجبوراً پیلاطس سزائے موت سنانے کا فیصلہ کرتا ہے اور آپؑ کو صلیب پر چڑھانے کا حکم صادر کر دیتا ہے۔[103]

## 10۔ حضرت مسیحؑ کی موت؟

پھر آپؑ کو صلیب دینے کے لیے گلگتا لے جایا جاتا ہے[104] جہاں آپؑ کو صلیبی موت دی جاتی ہے[105]۔ صلیبی موت اس وقت ایک نہایت اذیت ناک سزا گردانی جاتی تھی۔ اس لیے یروشلم کی عورتیں ایسے موقع پر ایک قسم کا سرکہ پیش کرتی تھیں جس سے صلیب پر لٹکے ہوئے شخص کے درد میں افاقہ ہو جاتا تھا لیکن آپؑ نے اسے پینے سے انکار کر دیا[106]۔ اور یوں آپؑ کو مصلوب کیا گیا[107]۔ تعجب ہے کہ جو صلیب بزبان بائبلی وقوفی کا نشان اور لعنت کی علامت تھا، وہی صلیب مسیحیوں کے لیے ایک مقدس نشان بلکہ ان کا امتیازی نشان بن گئی۔ اور اس پر وہ خود بھی متحیر ہیں۔[108]

## 11۔ صلیبی کلمات

اناجیل اربعہ کے مطابق آپؑ نے صلیب سے قبل سات کلمات کا اظہار کیا تھا جن میں معافی، نجات، محبت، کنارہ، دکھ، فتح مندی اور ملاپ کے جذبات عیاں ہیں؛

**1۔ معافی:** "اے میرے باپ ان کو معاف کر کیونکہ یہ جانتے نہیں کہ کیا کرتے ہیں۔"[109]

**2۔ نجات:** "میں تجھ سے سچ کہتا ہوں کہ آج ہی تو میرے ساتھ فردوس میں ہوگا۔"[110]

**3۔ محبت:** "اے عورت! دیکھ تیرا بیٹا یہ ہے۔۔۔۔ دیکھ تیری ماں یہ ہے۔"[111]

**4۔ کنارہ:** "ایلی ایلی لما شبقتنی! یعنی اے میرے خدا! اے میرے خدا! تو نے مجھے کیوں چھوڑ

دیا۔"[112]

**5۔دکھ:** "میں پیاسا ہوں۔"[113]

**6۔فتح مندی:** "تمام ہوا۔"[114]

**7۔ملاپ:** "اے میرے باپ! میں اپنی روح تیرے ہاتھوں میں سونپتا ہوں۔"[115]

**12۔ کفن، دفن، جی اٹھنا اور صعود:** اپنی موت کے بعد آپؑ اپنے دشمنوں کے قبضہ اختیار میں نہ رہے۔ آپؑ کے بدن اقدس کو صلیب سے اتارا گیا[116]۔ اور باغ میں ایک نئی قبر میں دفنایا گیا پھر آپ جلد ہی اپنے وعدے کے مطابق جی اٹھے اور اپنے پیروکاروں پر ظاہر ہو کر ان کے شک اور خوف کو دور کر دیا[117]۔ آپؑ چالیس دن تک بار بار شاگردوں پر ظاہر ہوتے رہے اور ان کے ذہن کو کھولا تاکہ وہ پاک نوشتوں کو سمجھ سکیں۔ آپؑ نے انہیں تسلی دینے اور ان کی رہنمائی کرنے اور قوت دینے کے لیے پاک روح بھیجنے کا وعدہ کیا تاکہ وہ یروشلم سے شروع کر کے تمام دنیا میں آپؑ کی گواہی دیں[118]۔ پھر یہ وعدہ کرنے کے بعد آپؑ آخر تک ان کے ساتھ رہیں گے[119]، اپنے ہاتھ اٹھا کر برکت دی اور آسمان پر تشریف لے گئے[120]۔[121]

## 13۔ کیا مسیحؑ کی قربانی اختیاری تھی؟

کفارہ پر مبنی انسان کی فلاح و نجات کے اس مزعومہ "خدائی منصوبہ" کا ایک مضحکہ خیز پہلو یہ ہے کہ حضرتؑ کے بارے میں مسیحیت کا دعویٰ ہے کہ آپؑ نے تمام انسانیت کے لیے قربانی دے کر کفارہ ادا کیا لیکن تعجب ہے کہ خود انجیل کے مطابق اس "خدائی منصوبہ" کے مرکزی کردار حضرت مسیحؑ کو نہ تو اس کی ضرورت واہمیت کی خبر تھی اور نہ ہی آپؑ اس میں دل وجان سے شریک تھے۔ کیونکہ اگر واقعی آپؑ محبت وخدمت انسانیت کے جذبے سے سرشار ہو کر انسان کی نجات کے لیے شعوری واختیاری قربانی پیش کرنے والے ہوتے تو انجیل یہ نہ کہتی کہ اپنی گرفتاری اور مزعومہ موت کو قریب دیکھ کر وہ غمگین اور بے قرار ہونے لگا۔۔۔اس وقت اس نے ان سے کہا میری جان نہایت غمگین ہے۔۔۔ پھر ذرا آگے بڑھا اور منہ کے بل گر کر یوں دعا کی کہ اے میرے باپ اگر ہو سکے تو یہ پیالہ مجھ سے ٹل جائے[122]۔ اگر واقعی آپؑ انسان کی گناہ سے نجات کے لیے ایک باقاعدہ منصوبہ ومقصد کے تحت قربانی پیش کر رہے تھے تو غمگین اور بے قرار ہونے اور موت اور قربانی کا پیالہ ٹالنے کے لیے انہوں نے کیوں دعا کی؟ اگر آپؑ واقعی اس سارے منصوبہ میں دل سے شریک ہوتے تو "قربانی کی موت" کو قریب دیکھ کر" نہایت حیران اور بے قرار"[123] اور سخت پریشانی میں مبتلا[124] نہ ہوتے نہ آپؑ "بڑی آواز سے چلا کر" فریاد کرتے کہ" اے میرے خدا! تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا؟"[125] اگر آپؑ

نجات کے خدائی منصوبہ میں شریک ہوتے تو چلانے اور فریاد کرنے اور خدا کے چھوڑ دینے کی شکایت کرنے کی بجائے اپنی موت اور قربانی کا استقلال اور خندہ پیشانی سے استقبال کرنا چاہیئے تھا اور اس پیالہ کے ٹلنے کا خیال تک ذہن میں نہ لانا چاہیئے تھا۔

**خلاصہ**

کتاب مقدس کے مطالعہ سے جہاں یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حضرت عیسیٰ مسیح کے متعلق مسیحیوں کا یہ دعوی کہ حضرت عیسیٰ خدا ہیں یا خدا کے بیٹے ہیں، درست نہیں، وہاں یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ انہوں نے برائی کے خلاف جہاد کیا اور اس باب میں موجود بڑی سے بڑی طاقت کو بھی خاطر میں نہ لایا۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہودی انہیں برابر تکالیف سے دوچار کرتے رہے جو آج دنیا کے سب سے زیادہ مہذب اور منصف ہونے کا ڈونگ رچا رہے ہیں اور مسیحیوں کی آنکھوں میں دھول جھونک رہے ہیں۔ اس لیے قرآن نے جو حضرت مسیح کے بارے میں کہا ہے، وہی سچ و حق ہے۔

## References


[1]The Gospel of Matthew, 5: 18
[2]Ibid, 1:20
[3]The Gospel of John, 1: 45
[4]The Gospel of Matthew, 2: 1
[5]The Gospel of Luke, 2:8
[6]Encyclopedias Britannicas.v ‘’ X-Mas’’
[7]The Gospel of Matthew, 1: 18, Luke,2:1-7
[8]Al-Quran,19:17
[9]The Gospel of Luke,2:21
[10]Ibid,2:34
[11]The Gospel of Matthew, 13: 55
[12]Al-Quran,19:29-34
[13]The Gospel of Mark, 2: 4
[14]The Gospel of Luke, 1:26, 2:1-51
[15]Al-Quran,19: 16-34
[16]The Gospel of Luke, 1:26
[17]Females have not been so explicitly mentioned in the Holy Quran for sanctity but the case with Mary differs. She has been clearly metioned by her good name just to make it clear that the Jesus was hers son not the son of God.
[18]Al-Quran, 19:16-34
[19]The Gospel of Luke, 2:21
[20]Ibid, 2:40-52
[21]Ibid, 2:49-52
[22]The Gospel of Mathew,13:55-56
[23]The Gospel of Luke, 3:23, Qamus Al-Kitab, 1140.
[24]The Gospel of Luke, 3:23
[25]The Gospel of Mathew, 4:1

[26]Ibid, 4:1-11, The Gospel of Mark, 1:12-13, Luke, 4:1-31
[27]The Gospel of Mathew, 2:8
[28]Aazami, Nimat Ullah, Ei`sa`ieyatInjeelkiRoshniMa`y, (Maha`ziraIlmeyaDeoband, 1417H), P,44
[29]Qamus Al-Kitab, P 1139
[30]Al-Quran, 20:24
[31]The Gospel of John, 1:35-51
[32]Al-Quran, 5:112
[33]Ibid, 9:40
[34]The Gospel of John, 2:23
[35]Al-Quran, 5:110
[36]The Gospel of John, 4: 42
[37]The Gospel of Mark, 1:14-15
[38]The Gospel of Luke, 4:16
[39]The Gospel of Mathew,4:12-14, Mark, 1:14-34, Luke, 4:9-14, John, 4:46-56
[40]The Gospel of Mark, 4:35-41, 6: 34-51
[41]The Gospel of Luke, 8: 26-39, 9: 37-45
[42]The Gospel of Mathew, 8: 1-17, 9:1-8
[43]The Gospel of Luke, 7:11-17, Mathew, 8:18-26
[44]The Gospel of Luke, 4:40-42, 5:15-25, 6:17-19
[45]The Gospel of Mathew, 14:13-21
[46]Al-Halabi-Ali bin Burhan, Sirah Halabiyah, Dar ul Isha't, Karachi, 2009, 3/393
[47]The Gospel of Mathew, 20:17-19, Mark, 10:32-33, Luke, 18:31-33
[48]The Gospel of Mathew, 21:1-11, Mark, 11:1-11, Luke, 19:28-40, John, 12:13-19
[49]The Gospel of Mathew, 21:9
[50]Similarly the Holy Prophet Muhammad (S.A.W) was welcome with zeal and enthusiasm. People all around Madina had gathered along with children singing lyrics. On the other hand the jews reacted negatively and the deviated ones started conspiring against Islam and Muslims.
[51]The Gospel of Mathew, 21:10-11, Mark, 11:10-11, Luke, 19:39-40, John, 12:18-19
[52]The Gospel of Mathew, 21: 12-15
[53]Ibid, 21:23-27 Mark, 11: 21-33, Luke, 20: 1-8
[54]The Gospel of Mathew, 23:13-32, Mark, 11: 39-44, 52: 20-47
[55]The Gospel of Luke, 14: 1-6, 17:11-19
[56]Al-Quran, 5: 110
[57]The Gospel of Mark, 10: 46-52
[58]The Gospel of Luke, 14: 1
[59]The Gospel of Mathew, 19: 1-3. Luke, 53: 54
[60]Al-Quran, 3: 54
[61]Ibid, 5:116
[62]The Gospel of John, 11: 46-53
[63]The Gospel of Mathew, 26: 1-5, Luke, 22:1-2, John, 11:45-53
[64]The Gospel of Mathew, 26:14-16, Mark, 14:10, Luke, 22: 3-6
[65]The Gospel of Mark, 11: 1-10, John, 12: 12-19
[66]The Gospel of Mathew, 21: 12-16, Luke, 19: 45-46
[67]The Gospel of Mathew, 20: 17-19, Mark, 10: 32-33, Luke, 18: 31-33
[68]The Gospel of Mathew, 21:33-44, 22: 1-12, Mark, 12: 1-12, Luke, 20: 9-47
[69]The Gospel of Mathew, 23: 1-39, Luke, 20:45-47
[70]The Gospel of Luke, 21:
[71]Ibid, 21: 25-27

[72]The Gospel of Mathew, 24:29-31, 25:31-46
[73]The Gospel of John, 13:12-17, Luke, 22:24-30
[74]Al-Quran, 113:1-3
[75]The Gospel of John, 13:1-11
[76]The Gospel of Mark, 14:18-21, John, 13:21-36
[77]The Gospel of Mathew, 26:26-29
[78]The Gospel of John, 17:1-26
[79]The Gospel of Mathew, 26:39-46
[80]Ibid, 20:17-19
[81]The Gospel of Mathew, 22:47-56, Mark, 14:43-50, John, 18:3-11
[82]Caifa: Also named as Qiyafa. Jerusalm was under Romans since 168 BC to 66 BC, this status turned to be political. In the beginning, the person appointed for this position had to be predecessor of Harum (A.S) but now money mattered befitting for this position. Its spiritual status smashed when Roman rulers appointed the Lord priestalongwith other state officials. John, father in law to Caifa, was also elected this way. (The Gospel of John, 18:13) Though his three sons gained such position for short span of time yet Caifamantained it since 18 AD till 36 AD. (Qamus Al-Kitab, P:769)
[83]Cahin: in English Priest, Latin Presbyteries, Hebrew Cohen means the aged one. Tradition of foretelling in Isreal started since Exodus. Family chief had to pray, state sacrifices and perform other religious duties.(Qamus Al-Kitab, p:769
[84]The Gospel of Mathew: 26:57 and afterwards
[85]Faqih, in Islamic point of view means the scholar having knowledge of religious teachings regarding daily life routines.
[86]Qamus Al-Kitab, p 707
[87]Ibid
[88]The Gospel of Mathew, 22:5, Luke, 7: 30
[89]The Gospel of Luke, 5: 17, Acts, 5:34
[90]The Gospel of Mathew, 5:20, Mark, 7:5, Luke, 5:21
[91]The Gospel of Mathew, 9:3, Mark, 2:6
[92]The Gospel of Mathew, 26,57, Mark, 14:43, Luke, 22:66, Acts, 4:5
[93]Exodus, 23:8, Deuteronomy, 16:19
[94]Al-Quran, 2:77-80
[95]The Gospel of John, 5:10-18, Mark, 7:1-13
[96]The Gospel of Mark, 2:16, Luke, 5:30, 30:15:2
[97]The Gospel of Mathew, 23:1 and afterwards
[98]Ibid, 26:57, The Gospel of Mark, 15:1
[99]The Gospel of Mathew, 26:57-68, Mark, 14:66-72, Luke, 22:56-62, John, 18:15-25, 18,27
یوحنا، 18: 14
[100]The Gospel of John, 18:14
[101]Pilatis: Pilatis, Pentis, Pantusetc, we see in history books, remained ruler of Yahudiyah since 25 AD till 35 AD. Tibris of ceaser crowned him of yahudiyah in 25 AD. He shifted there along with his family as Roman supreme court had amended its ruling stating yahudiyah ruler can take his family then.
[102]The Gospel of Mathew, 27: 3 and afterwards
[103]The Gospel of Mathew, 27:11-31, Mark, 15:2-5, 6-15, Luke, 23:3-5, 13-25, John, 18:33-39, 19:1-16
[104]The Gospel of Mathew, 27:33

[105]Ibid, 27:44
[106]Ibid, 27:34
[107]The Gospel of Mathew, 27:32-44. Mark, 15:21-32, Luke, 23:43, John, 19:17-27
[108]Qamus Al-Kitab, p:596
[109]The Gospel of Luke, 2:34
[110]Ibid, 23:43
[111]The Gospel of John, 9:26-27
[112]The Gospel of Mathew, 27:42, Mark, 15:34
[113]The Gospel of John, 19:28
[114]Ibid, 19:30
[115]The Gospel of Luke, 23:46
[116]Ibid, 23:50-53
[117]Ibid, 24:13-45
[118]Acts, 1:8
[119]The Gospel of Mathew, 28:26
[120]The Gospel of Luke, 24:50
[121]The Holy Quran blatantly answers to misconceptions abount the Holy Prophet Muhammad (S.A.W) in such words: "and for their denial and outrageous accusation against Mary, and for boasting, "We killed the Messiah, Jesus, son of Mary, the messenger of Allah". But they neither killed nor were crucified him-it only made to appear so. Even those who argue for this fructification are in doubt. They have no knowledge whatsoever-only making assumptions. They certainly did not kill him. Rather Allah raised him up to Himself. And Allah is Almighty, All-wise. Every one of the people of the Book will definitely believe in him before his death. And on the Day of Judgment Jesus will be a witness against them. (Al-Quran, 4:156-159)
[122]The Gospel of Mathew, 26:36-40
[123]The Gospel of Mark, 14:33
[124]The Gospel of Luke, 22:33
[125]The Gospel of Mathew, 27:46, Mark, 15:34, Luke, 23:46